شعری مجموعہ
خوابوں کے گُل پیگا
از
حمیدہ شاہ اختر

اردو شعری مجموعہ
خوابوں کے گُل پیکر
حمیدہ شاہ اختر

نام کتاب	:	خوابوں کے گل پیکر
مصنفہ	:	حمیدہ شاہ اختر
صنف	:	شعروشاعری
زبان	:	اُردو
اشاعت اول	:	سال 2012
تعداد	:	۵۰۰
قیمت مُجلد	:	Rs 300/-
سرورق	:	عادل مختار
طباعت:	:	المختار پبلی کیشنز: اسلام آباد کشمیر

ملنے کا پتہ:

۱۔ پراگاش بُک سینٹر، گوری وان غرب۔ بجبہاڑا کشمیر

۲۔ المختار پبلی کیشنز، نئ بستی اسلام آباد کشمیر

۳۔ مراز ادبی سنگم، بجبہاڑہ

ترتیب

اِنتساب

وادی کے اُن گلوں کے نام

جو

بِن کھلے مُرجھا گئے

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے
(نامعلوم)

حمیدہ شاہ اختؔر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپنی بات

''خوابوں کے گل پیکر'' میری اردو شعر و شاعری کا پہلا مجموعہ ہے جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے۔ اس سے قبل سالِ گذشتہ میری کشمیری شاعری کا مجموعہ ''اَندرِم سفر'' شائع ہو کر ادباء، شعراء اور ادب نواز حضرات سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ اس مجموعہ کے قبول عام سے میری حوصلہ افزائی ہوئی اور میں نے اس کی رسم رونمائی کے موقعہ پر ہی اپنے اردو مجموعۂ اشعار کی تیاری سے احباب کو آگاہی دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اب قارئین اور احباب کی نذر کر رہی ہوں۔

سکہ بند طریقہ سے میں اپنے آپ کو شاعرہ تو نہیں کہہ سکتی ہوں لیکن کبھی کبھی جذبات اور احساس پر کوئی واقعہ، حادثہ، کوئی خاص بات، شدت کے ساتھ اثر انداز ہوتی ہے، تو پھر گنگناہٹ کے ساتھ ہی شعر زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ کسی شاعر نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

شاعری کیا ہے دلی جذبات کا اظہار ہے
دل اگر بے کار ہے تو شاعری بیکار ہے

بقول مرزا غالبؔ، دل تو سنگ و خشت نہیں ہے، یہ درد سے ضرور بھر آتا

ہے، اور یہی درد، شعر و شاعری کا منبع بن جاتا ہے۔

اردو، کشمیری کی دوسری مادری زبان ہے، کشمیر کے طول و عرض میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اور یہ ہماری ریاست کی سرکاری زبان بھی ہے۔ ہماری ریاست میں بہت سے اردو روزنامے اور ہفتہ وار اخبار شائع ہوتے ہیں ان کے علاوہ درجنوں رسالے اور میگزین بھی چھپتے رہتے ہیں اور خصوصی طور پر اردو زبان مدرسوں، اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم و تعلّم کا میڈیم بھی ہے۔ اس لئے کشمیری طلباء و طالبات بچپن ہی سے اردو زبان سے واقف ہوتے رہتے ہیں۔

میں اپنی زندگی میں ایک استاد کی حیثیت میں بہت مصروف رہی ہوں اور اب سرکاری ملازمت سے فراغت کے بعد بھی مصروفیت زیادہ رہتی ہے۔ زندگی کے گذرنے کے ساتھ زندگی کی الجھنیں بھی بڑھتی ہی جاتی ہیں اور جب کبھی مسائل زیادہ یلغار کرتے ہیں، اس صورتحال میں کوئی لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب دل بوجھل محسوس ہوتا ہے، پھر یہ بوجھ تب تک دل سے نہیں اترتا ہے جب تک اس سے پیدا شدہ تاثر کو نظم، غزل یا نثر پارے کی صورت میں، میں کاغذ پر منتقل نہ کروں۔ اس مجموعہ میں شامل اکثر تخلیقات ایسے ہی مواقع سے پیدا شدہ تاثرات پر مبنی ہیں اور یہ کس حد تک کامیاب صورت میں منظوم ہو چکے ہیں، اس کا اندازہ تو قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں۔ مفلس کی کٹیا میں ہر چیز قیمتی اثاثہ ہے۔ قارئین ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ جو کچھ اس مجموعہ میں شامل ہے، اس میں وہ درد و کرب نظر آئے گا جو حالات نے ہمیں وراثت کے طور پر نسلاً بعد نسلٍ، دے دیا ہے۔ یہ ہماری آپ بیتی ہوتے ہوئے جگ بیتی بھی ہے۔

حسب سابق اپنا یہ اردو شعری مجموعہ بھی میں نے پروفیسر غلام محمد شادؔ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کیا، اس امید کے ساتھ کہ وہ اسے اچھی طرح سے

اپنی نظر سے گذاریں۔ میں ان کی بہت ہی ممنون ہوں کہ اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود انہوں نے اس کی نوک پلک درست فرمائی۔ ان کا شکریہ میں کرتی رہوں گی۔ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اپنی قیمتی تاثرات سے مجھے نوازیں، میں ان کی شکر گزار رہوں گی۔ والسلام

طالب دعا

حمیدہ اختر شاہ

(سابقہ جونیئر کالج پرنسپل)

موضع واگہامہ۔ بجبہاڑہ کشمیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کچھ اس شعری مجموعہ کے بارے میں

سال 2010ء میں "اندرِم سفر" کے نام سے حمیدہ اخترؔ کا پہلا کشمیری شعری مجموعہ چھپ کر ادب نواز حضرات کی خصوصی توجہ اور سراہنا حاصل کر چکا ہے۔ حمیدہ اخترؔ کی نثر نگاری اور شعر و شاعری کا زمانہ ایک لمبے عرصے پر محیط ہے۔ وہ طالب علمی کے ایام سے ہی شعر و ادب کے مطالعہ سے وابستہ ہو چکی تھی۔ اسی دور سے اس کا شغف، اردو، فارسی اور کشمیری شعر و شاعری سے برابر قائم رہا۔ شعر فہمی کے ذوق کے ساتھ ساتھ اس کے وجدان اور دلِ دردمند نے اسے شعر گوئی کی طرف راغب کیا اور پھر وہ بتدریج ہی سہی شعر کہتی رہی۔ حمیدہ اخترؔ کی ایک بھول کی وجہ سے اس کی ابتدائی شاعری کی بیاض ضائع ہو گئی، اس کے مطالعہ سے یہ اندازہ بخوبی ہو سکتا کہ عمر اور آگہی کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ حمیدہ اخترؔ کی شعر و شاعری زبان، فکر، اسلوب وغیرہ کے لحاظ سے کن تدریجی ترقی کے مرحلوں سے گذری ہے۔ بہر کیف، اب جو کچھ بھی اس کا شعری سرمایہ بچ سکا ہے، وہ اندازاً اس مجموعہ میں شامل ہے۔ اس مجموعہ کا نام "خوابوں کے گل پیکر" میرا تجویز کردہ ہے، چونکہ حمیدہ اخترؔ کی کشمیری شاعری کا مجموعہ اَندرِم سفر بھی میری اصلاحی نظر سے گذرا ہے لیکن ان کا اردو کلام مقابلتاً مضبوط اور چست ہے۔ ان کی کشمیری شاعری کو حک و اضافہ کے بہت سے

مراحل سے گذرنا پڑا تھا جبکہ زیرِ نظر مجموعہ میں بہت کم حد تک ایسا واقعہ ہوسکا ہے۔ سوچ سمجھ کر اور عجلت کے بغیر جو بھی شعر (غزلیں نظمیں) حمیدہ اختر نے تخلیق کیے ہیں، وہ نہ صرف تنوع مضامین کے بلکہ عروض اور دیگر لوازمات شعر و شاعری کے لحاظ سے بھی چست، درست، اچھے اور قابل ذکر ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

مہکتی سی خوشبو ہواؤں سے آئی
کہیں تیری زلفوں کو چھو کے ہے آئی
یونہی پاس سے جیسا تیرا گذر ہو
جبھی تو فضاؤں میں مستی ہے چھائی

اِنہونی سی آج یہ کیا بات ہوگئی
تھی آرزوئے دید ملاقات ہوگئی
وہ مسکرا کے مجھ سے مخاطب ہوئے کہا
گھبرائی ہوئی لگتی ہو۔ کیا بات ہوگئی

تری محفل میں اپنی نامرادی جانتے ہیں سب
کہ حرف آرزو تک کو ترستی ہے زباں میری

یاد میں تیری، ان لمحوں کو قید کروں
جن میں تصور تجھ سے ملنے جاتا ہے
دل کی بات میں آکر، اخترؔ کیوں روٹھوں
گذرا لمحہ واپس ہی کب آتا ہے

مرے دل کے آئینے پر ہر پل تری نظر ہے
میں جدھر نظر اٹھاؤں وہاں تو ہی جلوہ گر ہے
میرا کاروان ہستی جہاں آکے، لٹ گیا ہے
دو قدم وہاں سے چل کر دیکھا تو تیرا گھر ہے

'کیوں' عنوان کے تحت ایک طویل نظم میں شاعرہ نے انسانی اقدار کے زوال پر اپنے مجروح تاثرات اور احساسات کو پیش کیا ہے۔ سماج کی ہر سطح پر، کیا کیا غیر صحت مند تبدیلیاں آئی ہیں۔ اُن پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے ؎

درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے
کیوں اقدار انسانیت کھو رہا ہے
یہ کیوں چھین لیتا ہے ماؤں سے بیٹے
ہیں دبکے پڑے باپ، سہمے سمیٹے
جو نفرت کا غالب جنوں ہورہا ہے
وہ کس کے مکاں سے دھواں اٹھ رہا ہے
وہ کس کا اثاثہ جلا جارہا ہے
دھماکے میں کون اپنی جان کھو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

اسی طرح ''ماں'' کے عنوان کے تحت نظم، بیٹی کا اپنی ماں کے ساتھ روحانی قربت کی آئینہ دار ہے۔ اولاد کا اپنی ماں کے ساتھ جو قریبی تعلق ہوتا ہے، وہ بے لوث بنیادوں پر قائم ہوتا ہے اور باہمی محبت اس مقدس رشتے کو ساری عمر استوار کر کے اور مضبوط بنا دیتی ہے۔ ماں کے ساتھ بیٹی کے قریبی تعلقات کی بوقلمونی حمیدہ اختر نے بہت حد تک خلوص دل کے ساتھ نظم میں برت لی ہے۔

چلی گئی ماں کس کو پکاروں　　خالی گھر کو کیسے نواروں
ہر در اور دیوار ہیں گریاں　　ہر کوئی بے بس اور پریشان
مصلّٰی بچھا وہ ذات کہاں اب　　دعاؤں والے ہاتھ کہاں اب
بچپن سے اب تک کی باتیں　　گذرے دن اور بیتی راتیں
جب وہ لمحے یاد آتے ہیں　　خون کے آنسو رلواتے ہیں
ماں ہوتی ہے ٹھنڈی چھایا　　ماں ہوتی ہے رب کا سایا
ہم کو روتا چھوڑ گئی وہ　　رب سے رشتہ جوڑ گئی وہ
آتے جاتے کس کو پکاروں　　ماں کے احساں کیوں کر اُتاروں

یہ ساری نظم ماں سے محبت کے بے پناہ اور مخلصانہ جذبات سے مالا مال ہے، ایک بیٹی، عمر کے مختلف دوار میں، اپنی ماں کو کس کس انداز سے دیکھتی ہے، ان سب جذبات کی کما حقہ کی عکاسی کی گئی ہے۔ ماں ہر ایک اولاد کے لئے پیار و محبت کا مجسمہ ہوتی ہے اور اس کی محبت کی فراوانی ہی اسے مقدس اور محترم بناتی ہے۔

اسی طرح نظم ''زلزلہ'' میں زلزلہ سے متاثرہ لوگوں کی حالت زار کو دیکھ کر شاعرہ اپنے اضطراب اور بے چینی کو ضبط نہیں کر سکی ہے اور متاثرین کے لئے ہمدردی کے جذبات نظم کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔

''روحیں'' عنوان کے تحت ایک اور نظم گذشتہ دو دہائیوں کے المناک خونین واقعات کی یاد دلاتے ہیں۔ نظم کے عنوان کا انتخاب 'روحیں' ایک ایسی علامت کے طور پر کیا گیا ہے جو انسانی ہمدردی کے ساتھ غور و فکر کا تقاضا کرتی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

کچھ ایسی مقدس روحیں تھیں
باپوں کے لئے ماؤں کے لئے

راحت کا سامان کرتی تھیں
بے کس بے بس بیواؤں کا
جینے کا سامان کرتی تھیں
اب ہر سو روحیں بھٹکتی ہیں

کچھ ایسی روحیں ملتی ہیں
جو گلیوں کے اندھیاروں میں
ہر مسجد کے پچھواڑوں میں
ہر دم چلّاتی رہتی ہیں
قبروں میں ان کو سکون نہیں
لوگوں کو پکارتی رہتی ہیں

ان دہائیوں میں کشمیری لوگ جن جن کربناک حالات سے گذرے ہیں اور جن مصائب کا شکار ہوگئے، مختصر طور پر ہی سہی، ان کی ترجمانی کی کوشش اس نظم میں نظر آتی ہے۔

غزل تو ہمیشہ سے انسانی جذبات کی آئینہ دار رہی ہے، چاہے غم دوراں ہو یا غم جانان، اس مجموعہ میں زیادہ تر غزلیں ہی شامل ہیں اور آپ ان غزلوں میں بہت سے خوبصورت، اشعار پائیں گے، جو شاعرہ کی زندگی کے مختلف لمحات میں اثر پذیر ہوئے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔

رفتہ رفتہ ہر جفا ان کی اداسی بھا گئی
کیا نظر کیا دل وہ میری زندگی پر چھا گئی

دل کے لٹنے کی خبر کہنے کے لائق تھی کہاں
تاڑنے والوں کو میری بے بسی سمجھا گئی

میری الفت دل کی حسرت یاد ماضی بن گئی
زندگی کو میری ہر الجھن میں یوں الجھا گئی
میرے پندار محبت کا بھرم ٹوٹا نہ تھا
ہر کلی اُلفت کی جب خود بن کھلے مرجھا گئی
آہ کس کس سے کہوں میں اپنے ہرجائی کی بات
بھولی صورت اس کی شاید ہر کسی کو بھا گئی
کوششیں اس کو بھلانے کی ہوئیں ناکام سب
ہو چکا ترک تعلق یاد تو تڑپا گئی
عشق کی وادی میں گم ہو کے جہاں ٹھوکر لگی
ہم سمجھ بیٹھے تھے شاید اپنی منزل آگئی

نگاہوں کے رستے سے دل میں بسے ہو
بہت خوبصورت ٹھکانا ہوا ہے

ہزاروں آس میں بیٹھے تو ہیں امیدواری کی
نہ جانے قرعہ اس کے حکم کا کس نام آیا ہے

نگاہیں کب ملیں دل کب گیا کچھ تو پتہ ہوتا
وہ دھڑکن یاد آنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

راحت کا سامان کرتی تھیں
بے کس بے بس بیواؤں کا
جینے کا سامان کرتی تھیں
اب ہر سو روحیں بھٹکتی ہیں

کچھ ایسی روحیں ملتی ہیں
جو گلیوں کے اندھیاروں میں
ہر مسجد کے پچھواڑوں میں
ہر دم چلّاتی رہتی ہیں
قبروں میں ان کو سکون نہیں
لوگوں کو پکارتی رہتی ہیں

ان دہائیوں میں کشمیری لوگ جن جن کربناک حالات سے گذرے ہیں اور جن مصائب کا شکار ہوگئے، مختصر طور پر ہی سہی، ان کی ترجمانی کی کوشش اس نظم میں نظر آتی ہے۔

غزل تو ہمیشہ سے انسانی جذبات کی آئینہ دار رہی ہے، چاہے غم دوراں ہو یا غم جانان، اس مجموعہ میں زیادہ تر غزلیں ہی شامل ہیں اور آپ ان غزلوں میں بہت سے خوبصورت، اشعار پائیں گے، جو شاعرہ کی زندگی کے مختلف لمحات میں اثر پذیر ہوئے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔

رفتہ رفتہ ہر جفا ان کی ادا سی بھا گئی
کیا نظر کیا دل وہ میری زندگی پر چھا گئی

دل کے لٹنے کی خبر کہنے کے لائق تھی کہاں
تاڑنے والوں کو میری بے بسی سمجھا گئی

میری الفت دل کی حسرت یاد ماضی بن گئی
زندگی کو میری ہر الجھن میں یوں الجھا گئی
میرے پندار محبت کا بھرم ٹوٹا نہ تھا
ہر کلی اُلفت کی جب خود بن کھلے مرجھا گئی
آہ کس کس سے کہوں میں اپنے ہرجائی کی بات
بھولی صورت اس کی شاید ہر کسی کو بھا گئی
کوششیں اس کو بھلانے کی ہوئیں ناکام سب
ہو چکا ترک تعلق یاد تو تڑپا گئی
عشق کی وادی میں گم ہو کے جہاں ٹھوکر لگی
ہم سمجھ بیٹھے تھے شاید اپنی منزل آگئی

نگاہوں کے رستے سے دل میں بسے ہو
بہت خوبصورت ٹھکانا ہوا ہے

ہزاروں آس میں بیٹھے تو ہیں امیدواری کی
نہ جانے قرعہ اس کے حکم کا کس نام آیا ہے

نگاہیں کب ملیں دل کب گیا کچھ تو پتہ ہوتا
وہ دھڑکن یاد آنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

جوانجانے میں لکھ بیٹھی ہوں دل کے کورے کاغذ پر
وہ تحریریں مٹانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

حیران ہوں آج تک نہ مجھے حوصلہ ہوا
میں پوچھ بھی نہ پائی بڑا میں نے کیا کیا

کیوں پوچھتے ہو مجھ سے تم وہ بات دوستو
جس بات کی نہیں ہے کوئی بات دوستو
محرومیاں، اداسیاں تقدیر ہے اپنی
کیا خوب ملی زندگی سوغات دوستو
محفل میں دل کی بات تو سب کی سنی گئی
جب ہم اُٹھے بدل گئی ہے بات دوستو
پہلو میں بیٹھنے کی تمنا لئے تھے ہم
ہم اپنی جانتے نہ تھے اوقات دوستو
شاید یہ بد دُعا تھی محبت ہوئی مجھے
اب درد و اضطراب ہے دن رات دوستو

اکثر تیرے پہلو کو چھو کر نکلے
بھیڑ میں جب بھی آنا جانا ہوتا ہے
حسن و عشق کی باتیں ایسی باتیں ہیں
جن کو چھپانا اور نہ بتانا ہوتا ہے

یہ تو غم جاناں کی روداد تھی اب غم دوراں کی عکاسی بھی دیکھئے کہ کس کس طرح سے کی گئی ہے

بستی ہے یا میدانِ حشر دیکھ رہی ہوں
تا حد نظر ظلم و قہر دیکھ رہی ہوں
آدم نہیں بے بس ہیں کٹھ پتلی کے تماشے
کھینچو جدھر مڑ جائیں ادھر دیکھ رہی ہوں
صورت سے نظر آتے ہیں یہ تاج محل سے
اندر سے سب ہیں ٹوٹے کھنڈر دیکھ رہی ہوں

کتنے معصوم کھا گئی بارود
بانجھ یونہی جہاں نہیں ہوتا
روتے پیٹتے اُٹھے جنازے ہیں
بھولنے کا سماں نہیں ہوتا
آہ و زاری نہیں ہو وادی میں
ایسا کوئی مکان نہیں ہوتا

جتنے بھی غم جہاں میں تھے یکجا ہوئے تو پھر
میرے ہی واسطے وہ سب مخصوص ہو گئے
گم ہو کے اپنی ذات میں ہم کیا تلاشتے
اپنے ہی دائرے میں بس محبوس ہو گئے

مولوی شوکت احمد شاہ کی شہادت پر شاعرہ اپنے تاثرات کو یوں بیان کر گئی

ہے۔

موت نے پھر سے دستک دے دی وادی میں
پھر سے اک بیٹے کی جان لی وادی میں

جانے والے جو بھی تھے انسان ہی تھے
موت نے ان کی عظمت جتا دی وادی میں

موت کے سوداگر اب تک ہیں پیاسے بہت
کس کے خون سے پیاس بجھا دی وادی میں

برسوں سے ہم کرب کو جھیلتے آئے ہیں
سوگ پہ وقت نے راکھ چڑھا دی وادی میں

کس نے مارا کیونکر مارا اس کے کوئی معنی نہیں
کس دیوتا پر بلی چڑھا دی وادی میں

کتنے معصوم کتنے جواں ہم کھوتے رہے
قبروں کی تعداد بڑھا دی وادی میں

روتے نہیں ہر کوئی آنسو پیتا ہے
سب نے کفن پوشاک بنا دی وادی میں

کالی آندھی صیادوں نے پھیلا دی
شاخ و شجر کو آگ لگا دی وادی میں

گولی کی بوچھار سے وہ بھی چھلنی ہے
جس کاندھے نے لاش اُٹھا دی وادی میں

اس مجموعۂ اشعار کے تفصیلی مطالعہ کے دوران میں اگر مجھے کہیں پر اصلاح یا حک واضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی، وہ مناسب حد تک ہی انجام دی گئی ہے۔ میرے اس تعارفی دیباچہ سے آپ اس مجموعہ میں شامل غزلوں، نظموں وغیرہ کے مضامین کا اندازہ ضرور لگا سکتے ہیں لیکن اس کے تفصیلی مطالعہ سے آپ اس کے حسن کو وقیع اور مستحق داد وستائش پائیں گے۔ غلطیاں پھر بھی رہ جاتی ہیں، اس میں کتاب کی تیاری سے وابستہ سب ہی حضرات کی غفلت، تساہل یا جلد بازی ذمہ دار ہے۔

خاکسار
پروفیسر غلام محمد شاد

دُعا

الٰہی دعا کو رسائی بخش دے
محمدؐ کے در کی گدائی بخش دے

میں جو کچھ ہوں مولا یہ تیری رضا ہے
عمل میں مرے بے ریائی بخش دے

دوئی اور نفرت نہ اسمیں سمائے
میرے قلب کو وہ صفائی بخش دے

دروغِ خلق کو کروں جس سے قابو
میرے قول میں وہ سچائی بخش دے

صداقت اور حق کی بصیرت عطا کر
نگاہوں کو بھی پارسائی بخش دے

ہے اختر کو چاہت تری معرفت کی
مرے درد دل کو دوائی بخش دے

□⌘□

غزل

جی کرتا ہے ہم ٹھکرائیں سارے جہاں کی دولت ہو
شاید ایسے کم کر پائیں اپنے دل کی وحشت کو

اُس دنیا سے کیسے شکوے اس نے ہم کو دیا ہی کیا
جینے کو ہم جی ہی رہے ہیں ترسے ہیں اِک الفت کو

سب کے دامن بھر ڈالے ہیں۔ اپنا ہی بس خالی رہا
دینے والا کم سمجھا ہے شاید میری وسعت کو

شور شرابا اک ہنگامہ پہلو میں ہوتا ہی رہا
دم لینے کو کیونکر ٹھہریں لائیں کہاں سے فرصت کو

اس قابل ہم ہو نہیں پائے اونچے سُر میں بات کریں
جھک جھک کر آداب کیا ہے ہم نے تیری عظمت کو

اخترؔ درد کی چادر اوڑھے لمبی تان کے سو جاؤ
شاید ایسے ہی پا جاؤ اپنی کھوئی راحت کو

□⌘□

غزل

مہکتی سی خوشبو ہواؤں سے آئی
کہیں تیری زلفوں کو چھوکے ہے آئی؟

یوں ہی پاس سے جیسے تیرا گذر ہو
جبھی تو فضاؤں میں مستی ہے چھائی

بہت شوخ لگتی ہیں کلیاں چمن کی
انہیں کیا جھلک تو نے اپنی دکھائی

یہ پتے درختوں کے یوں گنگنائے
انہیں نغمگی ہے تمہی نے سکھائی

سجائی ہے شبنم نے راہ موتیوں سے
جو سبزے نے مخمل کی چادر بچھائی

یونہی تیری آمد کے سب منتظر ہیں
ہیں اختر نے راہوں میں آنکھیں بچھائی

❑⌘❑

ہدیہ تشکر

میں جب بھی ذکر کروں تو قرار آئے مجھے
مین تیرا نام لوں غم سے فرار آئے مجھے

میں تیری اور بڑھی تھی شکستہ دل لے کر
وہ پیار مجھ کو دیا ہے خمار آئے مجھے

وہ لغزشیں کبھی سرزد ہوئی ہیں جو مجھ سے
انہیں بھلانے کو کہہ کر سنوار لائے مجھے

اُداسیوں میں مجھے دیں تسلیاں آکر
خزاں کی رُت میں بھی بادِ بہار آئے مجھے

امید و بیم کے بھنور نے مجھ کو جب گھیرا
تو اعتبار کے بیڑے میں پار لائے مجھے

تمہاری ذات سے ہے داستاں مری رنگیں
وقار تجھ سے یہ نسبت سدا بڑھائے مجھے

بہشت نام تو اخترؔ اسی کو کہتے ہیں
وہ گھر فرشتے جہاں پر اُتار لائے مجھے

❐⌘❐
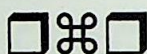
تصویر

باعث تسکینِ خاطر کب تیری تصویر ہے
کیا یہی تصویر میرے خواب کی تعبیر ہے

ہو گیا ظلمت کدہ روشن دل مایوس کا
اب امیدوں کی نکھر آئی ہر اک تنویر ہے

صبر کا دامن پکڑ لوں کیسے یہ ممکن نہیں
یہ علامت پیار کی جذبے کی یا تاثیر ہے

بانکپن تیری نگاہوں سے چھلکتا ہے کہ بس
کون کہہ سکتا ہے کس کس شوق کی تعمیر ہے

یہ تبسم تو سدا لب پہ تیرے کھلتا ہی رہے
اس میں پنہاں کس قدر افسانۂ دل گیر ہے

خرمن دل پہ گراتے ہو ہزاروں بجلیاں
کٹ نہیں سکتی یہ تیری زلف کی زنجیر ہے

بات کرنے کا سلیقہ مجھ میں آ سکتا مگر
تیری خاموشی تو میری موضوعِ تحریر ہے

تم رہو ہم سے الگ یہ بات تو کچھ کم نہیں
آرزوؤں سے کبھی بدلی کوئی تقدیر ہے؟

تم نہیں مرتے کسی پہ کیسے اختؔر کہہ سکوں
دل تو ہاتھوں سے گیا دل کی یہی تقدیر ہے

□⌘□
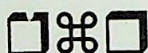
دعائے تشکر

یارب سن لے میری صدا ہے تو رحیم و کریم
خوب جئیں، پھولیں پھلیں میرے وسیم او رفہیم

میری خطائیں معاف کر قلب وضمیر صاف کر
میری خطا کا میرے رب ان پر نہ ہو کبھی اثر

شکر میں کس طرح کروں تیری عطا کی دین ہیں
یہ میرے لختِ ہائے جگر باعث راحت وچین ہیں

ان کے ہی دم سے پُر بہار میری امید کا چمن
محفوظ ہر بلا سے رکھ معصوم ان کے جان وتن

ان کے قدم پڑیں سدا راہِ ہُدا پہ اے خدا
دور ہوں ان کے سدِّ راہ ان کو تو دے اپنی پناہ

سہل ہر کام ان کا کر علم سے ان کا سینہ بھر
عقل و شعور کر عطا ان پہ کرم کی ہو نظر

□⌘□
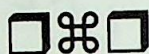
غزل

انہونی سی آج یہ کیا بات ہوگئی
تھی آرزوئے دید ملاقات ہوگئی

وارفتگیٔ شوق کا عالم نہ پوچھیے
اپنی خرد بھی تابعِ جذبات ہوگئی

وہ مسکرا کے مجھ سے مخاطب ہوئے کہا
گھبرائی ہوئی لگتی ہو کیا بات ہوگئی

کہنے کو کیا نہیں تھا مگر لب نہ وا ہوئے
بیچارگی میں نظروں سے نہ بات ہوگئی

وہ آئے آج بر کرم اختؔر مرے نصیب
ساگر سے بوند مانگنے کی بات ہوگئی

غزل

میرے ہمدم نہیں سن پاؤ گے تم داستاں میری
یہی خاموشیاں تنہائیاں ہیں رازداں میری

چھپائے پھر رہی تھی مشل لالہ داغِ دل کو میں
ہر اک برگِ چمن دہرا رہا ہے داستاں میری

شب ہجراں جو موتی آنسوؤں کے ہم نے برسائے
سمٹ پائے نہ دامن میں یہ قسمت تھی کہاں میری

تیری محفل میں اپنی نامرادی جانتے سب ہیں
کہ حرف آرزو تک کو ترستی ہے زباں میری

گذارے چند لمحے جب کبھی روبرو تیرے
وہ جلوے اب بھی آنکھوں میں بسے ہیں مہرباں میری

چھپائی چاندنی راتوں سے میں نے ہجر کی ظلمت
مگر یہ چاندنی نکلی ہے پھر بھی رازداں میری

نمودِ سحر کی حسرت میں راتیں کٹ گئیں اخترؔ
نہ ظلمت چھٹ سکی، تھی بے اثر شاید اذاں میری

□⌘□

غزل

دل سا ایک کھلونا پا کر تم کھیلے اور توڑ دیا
ہم نے دل کی بات میں آکر جینا ہی اب چھوڑ دیا

تم تو خوشی کا جھولا جھولے ہم کو وفا کی سولی ملی
تم کو تیری دنیا مبارک ہم نے جگ کو چھوڑ دیا

اپنی نظر سے مجھ کو گرا کر خود سے کیا انصاف کیا
بدل گئی تیری بھی منزل میں نے راہ کو چھوڑ دیا

راس نہ آئی اپنی الفت دل سے ہم مجبور رہے
غم کے حال میں شامل ہے اور غم سے رشتہ جوڑ دیا

درد کی راہ میں تنہا بھٹکے چین گیا آرام گیا
دُکھ کے گلے میں ڈال دیں باہیں۔سکھ سے ناطہ توڑ دیا

اپنی کہانی کس کو سنائیں سب ہیں اپنی دھن میں مگن
پتھر کی دیوار سے لگ کر اپنا ہی سر پھوڑ دیا

بکھرے خوابوں کے ٹکڑوں کو اختؔر کون سمیٹے گا
کانچ کا اپنا ساغر تھا ہی مار کے پتھر توڑ دیا

❐⌘❐
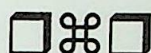
غزل

دھیرے دھیرے بولو دل گھبراتا ہے
کیا واقعی وہ مجھ سے ملنے آتا ہے

پو پھٹتے ہی ہم نے کھڑکی کھولی ہے
یہ دیکھیں وہ کس رستے سے آتا ہے

کان دھرے ہیں ہر آہٹ پر ہم نے یوں
سانس کا آنا جانا تک رُک جاتا ہے

یاد میں تیری اُن لمحوں کو قید کروں
جن میں تصور تجھ سے ملنے جاتا ہے

ہستی اپنی بن تیرے اک تنکا ہے
آنسوؤں کی اک دھار میں جو بہہ جاتا ہے

دل کی بات میں آکر اخترؔ کیوں روٹھوں
گذرا لمحہ واپس ہی کب آتا ہے

❑⌘❑

غزل

آ کے طوفان گذر گیا ہوگا
اور نشہ بھی اُتر گیا ہوا

بھیگی آنکھوں میں جھانک کر دیکھو
شاید سپنا بکھر گیا ہوگا

وعدہ کر کے گیا تھا آنے کا
پھر نہ آیا مُکر گیا ہوگا

سختی ہجر کیسے بتلاؤں
لمحہ صدیوں گذر گیا ہوگا

ہائے کنجِ قفس میں طائرِ دل
زندہ رہ رہ کے مر گیا ہوگا

مت دلاؤ وفا کی یاد اُسے
نام سن کر بپھر گیا ہوگا

کیسے دشتِ جنوں کو پار کیا
پتا کھڑکے تو ڈر گیا ہوگا

دُھل کے بارش کی دھار میں اخترؔ
سبزہ کتنا نکھر گیا ہوگا

□⌘□
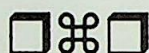
غزل

تری قربتوں کا میں کیا نام رکھ دوں
یہ چاہت نہیں ہے تو کیا نام رکھ دوں

بھرم پارسائی کا باقی نہیں ہے
بھری بزم میں سامنے جام رکھ دوں

یوں مدت سے دنیا میری پرسکون تھی
جو فتنہ جگایا سرعام رکھ دوں

مجھے دل کی باتوں پہ کیوں ٹوکتے ہو
سمجھ میں نہ آئے تو کیا نام رکھ دوں

مرے حال پر دوست ! تو چھوڑ مجھ کو
میں اپنا فسانہ ہی گم نام رکھ دوں

جو تکمیل چاہت میری آرزو ہے
تو چاہت کے تابع ہر الزام رکھ دوں

متاع محبت گراں تر ہے اختر
دل و جاں و ایمان بھی دام رکھ دوں

غزل

مرے دل کے آئینے پر ہر پل تیری نظر ہے
میں جدھر نظر اُٹھاؤں وہاں تو ہی جلوہ گر ہے

نہ سمجھ حقیر ظالم میرا جذبۂ پرستش
تو اگر صنم ہے میرا تو بتا خدا کدھر ہے

میرا کاروانِ ہستی جہاں آ کے لٹ گیا ہے
دو قدم وہاں سے چل کر دیکھا تو تیرا گھر ہے

غمِ زیست ہے گراں ترغمِ یاراک سکون ہے
نہ ہنگامہ راس آیا نہ پتہ سکون کدھر ہے

میرا شوقِ والہانہ تیری بے خودی پہ صدقے
مجھے راہرو بنا کے کیا کیسا دربدر ہے

کروں میں تلاش منزل اخترؔ نہیں ہے یارا
ہو جو شوق اپنا صادق پھر دیکھو کیا اثر ہے

❐⌘❐
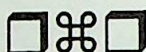
غزل

تیرے پیار کی کیا طلب رہی غم دو جہاں سے چھڑا دیا
نہ کبھی مجھے تو الگ سمجھ میں نے خود کو تیرا بنا دیا

غم یار میری متاع رہی یہ اثاثہ کتنا عظیم ہے
میرا دل تھا میری ہی ملکیت جسے تجھ پہ میں نے لٹا دیا

میری آرزو کو زبان ملی میں نے عرض حال تو کر دیا
یہ تو بے بسی کا فسانہ تھا تو نے ہنس کے سب کو سنا دیا

تیرے التفات کی بات تھی میری زندگی کا سوال تھا
نہ یہ بات بھی تجھ سے ہوسکی۔ میں نے خود ہی خود کو مٹا دیا

جہاں شجر حسرت کی شاخ پر بنا تھا اپنا بھی آشیاں
کبھی آندھیوں سے بکھر گیا کبھی بجلیوں نے جلا دیا

میں تیرے قریب نہ آسکا نہ میں اپنی جگہ بنا سکی
میں تو سنگ راہ بنی رہی تو نے راستے سے ہٹا دیا

میں وفا کے نام پہ مٹ گئی تیری بے رخی تو بنی رہی
یہ ستم کہ سنگ مزار سے میرا نام تک بھی مٹا دیا

تیرے آنے کی اک امید میں ہیں سجائے اختریوں گھر کو ہم
ہیں نگاہیں بھی فرش راہ بنی اور چراغِ دل بھی جلا دیا
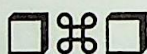
کیوں؟

درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے
کیوں اقدار انسانیت کھو رہا ہے
یہ کیوں چھین لیتا ہے ماؤں سے بیٹے
ہیں دبکے پڑے باپ سہمے سمیٹے
جو نفرت کا غالب جنوں ہورہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

کھلے سر وہ بہنا بھی کیوں رو رہی ہے
سہاگن وہ تھی بیوہ کیوں ہورہی ہے
یتیم آنسوؤں سے تو منہ دھو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

جو دریا میں بہتی ہے وہ لاش کس کی
وہ چھلنی پڑی ہے جو ہے لاش کس کی
گرم خون سے ہاتھ کیوں دھو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

وہ کس کے مکان سے دھواں اُٹھ رہا ہے
وہ کس کا اثاثہ جلا جارہا ہے
دھماکے میں کون اپنی جان کھو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

قلم نونہالوں سے کیوں چھن رہے ہیں
وہ سہمے سے لمحوں کو کیوں گن رہے ہیں
کھلونا یہ پستول کیوں ہورہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

یہ آباد کھیتی بنجر بن گئی ہے
فصل اس میں بارود کی اُگ رہی ہے
یہ گولی کا بیوپار کیوں ہورہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہورہا ہے

نہ ہے دوست کوئی نہ ہے کوئی دُشمن
نہ محفوظ ہے اپنا پیارا نشیمن
وقار اپنا ہر ایک کیوں کھو رہا
درندہ یہ انسان کیوں ہو رہا ہے

یہ جنگل کا قانون کب تک چلے گا
یہ گلشن بہاروں میں کب تک جلے گا
ہر ایک دیکھ کر چپ تو کیوں ہو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہو رہا ہے

نہ بھولو جواب تم کو دینا پڑے گا
دیا ہے جو اب تک وہ لینا پڑے گا
یہ دیر اور اندھیر کیوں ہو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہو رہا ہے

دِلوں سے دوئی اور نفرت مٹاؤ
جیو اور جینے کا نعرہ لگاؤ
یہ آپس میں الزام کیوں ہو رہا ہے
درندہ یہ انسان کیوں ہو رہا ہے

غزل

رنجش میں اُن کی شامل تھوڑی سی بے رخی بھی
چاہت کے ساتھ اپنی تھوڑی سی بے بسی بھی

وہ خواب جو سجے تھے آنکھوں میں میرے ہمدم
اشکوں میں بہہ گئے وہ اور لے گئے خوشی بھی

میری بساط کیا ہے اک ریت کا گھروندا
اک موج تند آکر لے جائے گی مٹی بھی

بے چینیاں تڑپ ہے تحفہ میری وفا کا
وہ باوفا جو ہوتے بن جاتی زندگی بھی

کس کس کو بانٹ دوں میں اب میرے پاس ہے کیا
کچھ غم ہی رہ گئے ہیں سب کو طلب خوشی کی

اے کاش لوٹ آئیں اختر وہ بیتے لمحے
پھر چاہے موت آئے لے جائے زندگی بھی

❑⌘❑
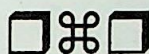
غزل

رفتہ رفتہ ہر جفا ان کی اداسی بھا گئی
کیا نظر کیا دل وہ میری زندگی پر چھا گئی

دل کے لٹنے کی خبر کہنے کے لائق تھی کہاں
تاڑنے والوں کو میری بے بسی سمجھا گئی

میری الفت دل کی حسرت یاد ماضی بن گئی
زندگی کو میری ہر الجھن میں یوں الجھا گئی

میرے پندار محبت کا بھرم ٹوٹا نہ تھا
ہر کلی اُلفت کی جب خود بن کھلے مرجھا گئی

آہ کس کس سے کہوں میں اپنے ہرجائی کی بات
بھولی صورت اس کی شاید ہر کسی کو بھا گئی

کوششیں اس کو بھلانے کی ہوئیں ناکام سب
ہو چکا ترک تعلق یاد تو تڑپا گئی

عشق کی وادی میں گم ہو کے جہاں ٹھوکر لگی
ہم سمجھ بیٹھے تھے شاید اپنی منزل آ گئی

نزع کے عالم میں اختؔر جب وہ ملنے آ گئے
اپنی قربت دیکھتے ہی موت تک شرما گئی

غزل
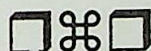
چلیے آؤ موسم سہانا ہوا ہے
یہ ملنے کا سمجھو بہانا ہوا ہے

لبوں پہ میرے گیت بھی آگئے ہیں
شروع پیار کا پھر فسانہ ہوا ہے

کوئی اب ہمیں روک بھی نہ سکے گا
مہربان ہم پہ زمانہ ہوا ہے

سنبھالے سنبھلتا نہیں ہے میرا دل
اُچھل کے خوشی میں دِوانہ ہوا ہے

کبھی خود سے ہم نے جو پوچھا تو سمجھے
ہوئے کب تمہارے زمانہ ہوا ہے

نگاہوں کے رستے سے دل میں بسے ہو
بہت خوبصورت ٹھکانا ہوا ہے

ہے خوشبو سی بکھری فضاؤں میں اختر
چمن میں تیرا آنا جانا ہوا ہے

□⌘□
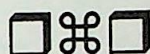
بُھلایا نہ جائیگا

دل سے تمہارا پیار مِٹایا نہ جائے گا
سینے میں اُٹھا درد دبایا نہ جائے گا

تم سے ہی اختلاف سہی تم میرے تو تھے
منزل تیری کہاں ہے بتایا نہ جائے گا

اِک آس سی بندھی تھی اور دل بھی تھا پُر سکون
تجھ سے میرا جنازہ اُٹھایا نہ جائے گا

لڑتے جھگڑتے ہم سے کہہ دیتے دل کی بات
تم سے کوئی بھی رشتہ نبھایا نا جائے گا

دیوار و در اُداس ہے روتی ہے خامشی
مایوسیوں سے گھر کو سجایا نہ جائے گا

روشن ہیں تیرے نام سے اُمید کے دیئے
اخترؔ کے جیتے جی اُنہیں بُجھایا نہ جائے گا

غزل

محبت میں اتنا مجھے نہ ستاؤ
ذرا میرے دل سے نکل کر دکھاؤ

کہیں دل لگی میں نہ یہ جان جائے
مجھے اس طرح سے نہ تم آزماؤ

نبھا نہ سکو گے محبت کی رسمیں
میری زندگی کی شمع ہی بجھاؤ

مجھے میری دنیا سے گم کرنے والے
خدارا مجھے میری منزل بتاؤ

سہارا ہے بس اک سہارا تمہارا
بھنور میں میری ناؤ مت چھوڑ جاؤ

زمانہ ہنسی یوں نہ اختر، اڑائے
جنازہ مرا اک قدم تو اُٹھاؤ

□⌘□
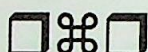
غزل

وفا کے نام پر لٹنا مجھے کب کام آیا ہے
جسے میں نے چنا قاصد وہی ناکام آیا ہے

ہزاروں آس میں بیٹھے تو ہیں امیدواری کی
نہ جانے قرعہ اس کے حکم کا کس نام آیا ہے

تڑپنا، آہ بھرنا چپکے رونا کام ہے میرا
وہ اپنی مستیوں میں مست کب در دام آیا ہے

مقابل اس کے ہم بیٹھے رہے جب اس کی محفل میں
شباب آیا تو محفل پر نہ ہم تک جام آیا ہے

جھکی پلکیں اُٹھیں لیکن میں نظارہ نہ کر پائی
نظر زخمی لئے واپس دل ناکام آیا ہے

مجھے امید تھی اخترؔ کبھی ہم سے بھی پوچھے گا
تمہاری چاہ میں کب سے ہمارا نام آیا ہے

❐⌘❐
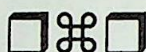
تکرار

کیوں مجھ کو راستے سے ہٹاتا ہے روسیاہ
آداب بندگی مجھے سکھاتا ہے روسیاہ

تیرے لئے تو کعبہ بس اک عام بات ہے
میرے لئے ہے کعبہ تو خود روبہ رو خدا

اب تک ہمارے سجدوں میں حائل تھے فاصلے
اب فاصلے مٹے ہیں ملی مجھ کو ہے پناہ

یہ رحمتوں کے جلوے مجھے لوٹنے تو دو
مدہوش ہونے دو مجھے کرنے تو دو دعا

آکے یہاں اپنے گناہ بخشوانے ہیں
لینا ہے جنم آکے یہاں مجھ کو اب نیا

آنا میرا یہاں تو مقدر کی بات ہے
خوش بختیوں کا اپنی مجھے لینے دو مزہ

تجھ کو نصیب نسبتِ حضرت بلالؓ ہے
رنگت تیری سیاہ پر باطن میرا سیاہ

اعمال اپنے پیش خدا رکھ تو لینے دو
باطن کی یہ سیاہی تم دھونے تو دو ذرا

ہوتا ہے تجھ کو دیکھ کر اخترؔ کو سخت رشک
میں اجنبی ہوں تیرا ہے مسکن یہاں سدا

(14 فروری 2002 خانہ کعبہ میں ایک سیاہ فام سپاہی کی زیادتی پر)

غزل

انداز بے بسی کے چھپانے چلی ہوں میں
اے دوست تجھ کو دل سے بھلانے چلی ہوں میں

جب تک تمہاری یاد سے وابستگی رہے
تب تک یہ بار زیست اٹھانے چلی ہوں میں

رو کر کسی کے سامنے دُکھڑا نہ کہہ سکا
ہنس کر ہی اشک درد بہانے چلی ہوں میں

ناگفتہ کچھ ارمان کچھ بے نام خواہشیں
ان سب کو زیرِخاک سلانے چلی ہوں میں

کیسی وفا کیا پیار اور کیا خاک آرزو
ان پتھروں کو رہ سے ہٹانے چلی ہوں میں

وہ ترکِ التفات پر قائم رہیں تو کیا
نیلام آرزو کو بچانے چلی ہوں میں

اخترؔ وفا کے نام پر کتنا لٹے ہیں ہم
اب صرف زادِ راہ کو بچانے چلی ہوں میں

❑⌘❑
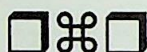
رکھشا بندھن

وہ رکھشا بندھن کیا آئی
ساتھ اپنے آفت اِک لائی
کوئی نہ ہمایوں تھا اُس دن
نہ بہن تھی کوئی روپ متی

ہر طرف تھے راون اور آہ و بکا
کچھ گھروں میں سیتا لٹتی رہی
در و پدی کی ساڑھی اُترتی رہی
اور کرشن بھگت تھے پڑے ہوئے

بندوق کی زد میں بھائی تھے
اور باپ تھے ششدر کیا ہوگا
تھی ماں کی آنکھیں پھٹی پھٹی
ہے کوئی جو میری رکھشا کرے
اور آج سُرکھشا والے ہی
راون کا روپ دھارن کر کے
راکھی کا مان بڑھاتا کون
مریادا کے پیچھے تھے پڑے ہوئے![1]

[1] (1993 کی رکھشابندن کے موقعہ پر بجبہاڑہ میں واقع ہوئے حالات پر)

روحیں

کچھ ایسی مقدس روحیں تھیں
باپوں کے لئے ماؤں کے لئے
راحت کا سامان کرتی تھیں
بے کس بے بس بیواؤں کا
جینے کا سامان کرتی تھیں
اب ہر سو روحیں بھٹکتی ہیں

کچھ ایسی روحیں ملتی ہیں
جو گلیوں کے اندھیاروں میں
ہر مسجد کے پچھواڑوں میں
ہر دم چلاّتی رہتی ہیں
قبروں میں ان کو سکون نہیں
لوگوں کو پکارتی رہتی ہیں

کچھ اندھے ماں باپ ساون کے
پانی کے گھونٹ کو ترستے ہیں
جن کی بے نور سی آنکھوں سے
بادل غموں کے برستے ہیں
کوئی اُن کو دلاسا دے نہ سکا
گھر گھر سے جنازے اُٹھتے ہیں

کتنی ممتاز ہیں آوارہ
اپنے شاہ کی جدائی میں
ڈرتی ہیں اپنی جوانی سے
ڈرتی ہیں اپنی کہانی سے
اجڑے سب انکے مسکن ہیں
اور ٹوٹے سارے درپن ہیں

کتنے یوسف ہیں زندان میں
جن کا پرسانِ حال نہیں
جن کا بس جرم جوانی ہے
اور اس وادی کے باسی ہیں
روحوں کی مانند رہتے ہیں
ان کے پلّے میں مال نہیں

دیکھو وہ ہے اک بے بس ماں
بیوہ ہے جو لاچار بہت
تھے اس کے بیٹے چار کبھی
تھا سکھی گھر سنسار کبھی
اب خاموشی سناٹا ہے
افلاس ہے بھوک ہے فاقہ ہے

تھے چار کماؤ جواں جدھر
گولی نے اُجاڑا اُن کا گھر
دو مارے وردی والوں نے
دو مارے اُن کے دلالوں نے
ان کی روحیں آکر پوچھتی ہیں
ماں کیا تو نے کچھ کھایا ہے
کھایا تو کہاں سے آیا ہے

□⌘□

غزل

محبت نے کیسا کرشمہ دکھایا
جو تھا دور نزدیک اب کتنا آیا
جواب تک جفاؤں پہ اپنی تھا نازاں
محبت نے اُس کو مہربان بنایا
وہ نغمے جو دل میں ابھی تک دبے تھے
بنا کر اُنہیں گیت ہونٹوں پہ لایا
وہ اک لفظ سننے کو ہم کتنا ترسے
مجھے پیار تم سے ہے ہم کو سنایا
وہ اک بت جو نظروں کو میری جچا تھا
سجا کر پرستش کے قابل بنایا
گلوں کی وہ رنگت اُڑی سی ہے اختؔر
کہ دنیا کو میری جو رنگین بنایا

❐⌘❐
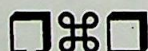
غزل

تڑپتا دل تجھے رو کر پکارے
تم آجاؤ جیوں تیرے سہارے
تسلّی کے لئے کافی نہیں ہیں
وہ لمحے چند جو باہم گذارے
میرے حصے میں بس محرومیاں ہیں
کدھر سے لاؤں میں جلوے تمہارے
اُلجھتی ہیں ہر اک شے سے نگاہیں
بہت بے چین کرتے ہیں نظارے
کسک اُٹھتی ہے جب پہلو میں میرے
گلوں سے بھی برستے ہیں شرارے
بہت پھیکی سی ہے یہ چاندنی بھی
بڑے بے نور لگتے ہیں ستارے

بھنور میں آ پھنسی ہے ناؤ دل کی
الٰہی ہم کو پہنچا دے کنارے
سماں بے شک ہے اخترؔ بے بسی کا
مگر جائیں کہاں قسمت کے مارے

□⌘□
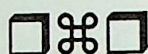
اپنے بچوں کی یاد میں

بہت دور مجھ سے نہیں ہو دُلارو
میرے پاس آ کر کے پھر سے پکارو

وہ صورت تمہاری تو من میں بسی ہے
یہ دنیا ہماری تو تم سے بسی ہے
مرے دل کے عالم کی رونق ہو پیارو
بہت دور مجھ سے نہیں ہو دلارو

فضائیں مہکتی ہیں اُن خوشبوؤں سے
یہ گھر گونج اُٹھتا ہے اُن قہقہوں سے
بکھیرے ہیں تم نے جو میرے بہارو
بہت دور مجھ سے نہیں ہو دلارو

پڑھائی میں تم اپنے من کو لگانا
اور ہمت سے مشکل کو آسان بنانا
اور دل کی لگن سے مقدر نکھارو
بہت دور مجھ سے نہیں ہو دلارو

تمہارے بنا ہم یہاں جی رہے ہیں
جدائی کے پیالے بھی ہم پی رہے ہیں
صرف اس لئے اپنا جیون سنوارو
بہت دور مجھ سے نہیں ہو دلارو

مشقت ہماری تمہارے لئے ہے
دعائیں محبت تمہارے لئے ہے
چمکتے رہو چاند بن کے ستارو
بہت دور مجھ سے نہیں ہو دلارو

❑⌘❑

غزل

تمہارے آ کے جانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے
یونہی وعدہ نبھانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

نگاہیں کب ملیں دل کب گیا کچھ تو پتہ ہوتا
وہ دھڑکن یاد آنے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

جو انجانے میں لکھ بیٹھی ہوں دل کے کورے کاغذ پر
وہ تحریریں مٹانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

کسک سی دل میں باقی ہے بچی ہیں چند سانسیں بھی
ستارے ٹوٹ جانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

بکھر جانے سے گل کی خوشبو کتنا رو گئی شبنم
کلی کے کھلکھلانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

وہ نغمے جو سجائے تھے کبھی ان اپنے ہونٹوں پر
انہیں اب گنگنانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

جو پروانے کا جل جانا بھی معراجِ محبت ہے
شمع کے جھلملانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

تمہاری بے نیازی سے میری دنیا ہے اُجڑی سی
اسے اخترؔ بسانے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے

□⌘□
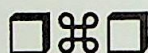
غزل

اب تک تیرے حضور نہ پہنچی میری فریاد
کتنوں کے دامن بھر گئے کتنے ہوئے آباد

سوچا تھا کہ افلاک پر کر لیں گے ہم مقام
لیکن نہ اپنی تھی مجھے میری بے بال و پری یاد

یوں قصر خسروی میں گئی جوئے شیر بھی
رسوا بھی مگر کر گیا وہ تیشۂ فرہاد

محروم نظر کر کے وہ نظارۂ جمال
آنکھوں کو خیرہ کر گیا وہ حسن خداداد

اک ہوک سی اُٹھتی ہے دل ناصبور میں
جب بھی قفس میں آتا ہے وہ آشیانہ یاد

تھے ہمدم و ہم سایہ چمن میں گلوں سے ہم
معلوم کیا تھا تاک میں بیٹھا ہے وہ صیاد

موہوم اک اُمید پہ جیتے رہے اخترؔ
شاید کبھی آجائیں ہم بھولے سے اُنہیں یاد

□⌘□
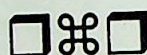
غزل

تونے مجھے اک کرب میں ہے مبتلا کیا
میری وفاؤں کا مجھے کیسا صلہ دیا

الفت کا ترک کرنا ہی تیرا شعار تھا
کیوں آج تک نگاہوں پہ پردہ پڑا رہا

جب چاہتوں کی بات چلی ہم نے ٹوٹ کر
کیا مال و زر ہے جان و دل تم پہ لٹا دیا

اس آرزو میں ہوں گے کبھی پاس پاس ہم
آئے ہو کیا قریب مجھے دور کر دیا

مجبوریٔ حیات نے روکے رکھا مجھے
ورنہ مجھے جو زخم ملا کارگر ملا

حیران ہوں آج تک نہ مجھے حوصلہ ہوا
میں پوچھ بھی نہ پائی بُرا میں نے کیا کیا

اخترؔ الگ الگ ہیں مقدّر کے ستارے
رفعت پہ ہے کوئی، کوئی پستی میں ہے پڑا

□⌘□
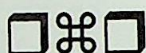
غزل

دشمنی کی رسمیں تمام دوستی کے نام ہو گئیں
تلخیاں زمانے کی آنسوؤں کے نام ہو گئیں

دائروں میں گھومتے رہے جستجوئے منزل میں
خواہشیں کچھ پانے کی راہ میں تمام ہو گئیں

قیامتیں لئے دل میں عنایتیں بھی پا نہ سکے
قباحتیں مٹا نہ سکے کوششیں ہی خام ہو گئیں

درد دل سے رشتہ جڑا درد آشنا نہ ملا
دل کی بات دل میں رہی حسرتیں تمام ہو گئیں

زندگی کی راہوں میں جو تڑپ ملی مجھ کو
حوصلہ بڑھاتی رہیں مشکلیں غلام ہو گئیں

آئینے میں اپنے دیکھا عکس جس کا اخترؔ نے
پیار اور وفائیں تمام بس اُسی کے نام ہو گئیں

❑⌘❑
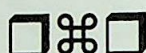
زلزلہ

تھا زلزلہ یا کہ قیامت تھی
بندوں کے گناہ تھے شامت تھی
جینے والوں کو عبرت تھی
جن پر گذری بس دہشت تھی
جو بچ پائے ان کو وحشت تھی
جو دب گئے بس ایک حسرت تھی

ماؤں کی گود ہے اُجڑی ہوئی
بہنوں کی مانگ بھی سونی ہوئی
اُجڑے ہیں بسیرے چاروں طرف
آہوں کا دھواں ہے چھایا ہوا
اشکوں کی لڑیاں جاری ہیں
اور موت کا لرزہ طاری ہے

بے نور سی آنکھیں تکتی ہیں
وہ کھنڈر دبے اور ٹوٹے ہوئے
کبھی جن کی چار دیواری میں
ہر سو تھا پیار چھلکتا ہوا
جہاں پیارا گھرانہ رہتا تھا
سکھ چین کا دریا بہتا تھا

دن حسین تھے پیاری راتیں تھیں
جہاں قہقہوں کی برساتیں تھیں
جہاں سکھ اور چین کے سائے تھے
مل جل کر رہنے کی عادت تھی
جہاں پیارے وہ ہمسائے تھے
اپنے تھے چاہے پرائے تھے

وہ مہکا کمرہ گھر کا میرے
جہاں ماں تلاوت کرتی تھی
وہ کمرہ جہاں بابا میرے
اللہ کو سجدے کرتے تھے
اور ہاتھ پھیلا کر سب کے لئے
رو رو کے دعائیں کرتے تھے

وہ کمرہ جہاں بھائی اور بہن
مل جل کے پڑھائی کرتے تھے
وہ کمرہ سجا دُلہن کی طرح
جہاں بھیا اور بھابی رہتے تھے
اب بھابی کی ہنسی کی جھنکار نہیں
بھیا کی میٹھی پھٹکار نہیں

ویران سی نظریں آدم کی
ہر سو حوا کی تلاش میں ہیں
ویراں سی اس بستی کے الّو
اب بولنا بھی سب بھول گئے
اجڑی بستی میں آئے کون
ہر سو ویرانی راج کرے

معصوم سے ان کچھ پھولوں کو
کھلے آسمان تلے قرار نہیں
ماں کے سینے کا لمس نہیں
باہیں بھی شفقت والی نہیں
نہ ہی سر پر ہاتھ ہیں پیار بھرے
باتوں میں کسی کی پیار نہیں

پردیسی وطن سے دور جو ہیں
روتے ہیں اُجڑے گلشن کو
روتے ہیں خوابوں کی جنت کو
روتے ہیں اپنے نشیمن کو
روتے ہیں اپنے پیاروں پر
روتے ہیں کچلے مزاروں پر

ماں کی یاد

چلی گئی ماں کس کو پکاروں
خالی گھر کو کیسے نواروں

ہر در اور دیوار ہیں گریاں
ہر کوئی بے بس اور پریشان

مصلّٰی بچھا وہ ذات کہاں اب
دعاؤں والے ہاتھ کہاں اب

بچپن سے اب تک کی باتیں
گذرے دن اور بیتی راتیں

جب وہ لمحے یاد آتے ہیں
خون کے آنسو رلواتے ہیں

ماں ہوتی ہے ٹھنڈی چھایا
ماں ہوتی ہے رب کا سایا

ہم کو روتا چھوڑ گئی وہ
رب سے رشتہ جوڑ گئی وہ

آتے جاتے کس کو پکاروں
ماں کے احساں کیوں کر اُتاروں

یاد ہے جب سے ہوش سنبھالا ماں نے لاڈ اور پیار سے پالا
مشکل میں جب مجھ کو وہ پاتی تب تب میرے کام وہ آتی
رات کو لوری گا کے سلاتی پیار سے صبح سہلا کے اُٹھاتی
میٹھی کتھا سے من بہلاتی پیار سے کھانا مجھ کو کھلاتی
اجلے ستھرے کپڑے پہناتی ہاتھ پکڑ کر اسکول لے جاتی
اسکول سے جب گھر آتا تھا ماں سے ڈھیروں پیار پاتا تھا
سو کام چھوڑ کے آگے آتی بستہ لے کر مجھے گلے لگاتی
میرا منہ اور ہاتھ دھلاتی دودھ اور بھات مجھے کھلاتی
میں دن بھر کی باتیں سناتا اچھی بات پہ داد بھی پاتا
بری بات پر ڈانٹ ڈپٹ بھی اس میں بھی وہ پیار جتاتی

جب ہم کوئی شرارت کرتے   بابا غضب کا غصہ کرتے
چھڑی لے کر جب وہ آتے   ہم ماں کے پیچھے چھپ جاتے
ماں ہم کو آنچل میں چھپاتی   پھر بابا کو یوں سمجھاتی
بچے ہیں شرارت تو ہوگی   گر نہ کریں لگتے ہیں روگی
اسے بچپن پھولے پھلے جو   تب بھی جوانی بھری پری ہو

ہو کے جواں جب لکھ پڑھ پایا   سرکاری اک عہدہ پایا
جب میں پہلی تنخواہ لایا   آ کر ماں کے ہاتھوں میں تھمایا
ماں نے اپنی آنکھوں سے لگایا   شکر ہے مولا یہ دن دکھایا
پھر مجھ کو یوں گلے لگایا   آنکھیں پرنم پھر یہ بتایا
رب نے تجھ پر کرم فرمایا   تم کو اس قابل جو بنایا
باپ کا بوجھ کچھ ہلکا کرنا   کچھ ذمہ داری تم بھی لینا
سکھی رہے گھر بار ہمارا   ہر سو دِکھے جنت کا نظارہ

پھر اک دن ایسا بھی آیا
ماں نے آ کر مجھے بتایا

چاند سی دلہن لے آؤ نگی
تیرا سہرا بندھواؤں گی

تو جو چاہے ایسا ہوگا
تیری پسند کا رشتہ ہوگا

کیا ہے من میں ہاں تو کر دے
خوشی سے میرا دامن تو بھر دے

دھوم دھام سے شادی رچائی
چاند سی دلہن گھر میں آئی

ماں نے گھر کی چابی لائی
دلہن کے ہاتھوں میں تھمائی

آج سے یہ گھر تیرا ہوگا
سب کے من گھر کرنا ہوگا

سب کی خوشی کا دھیان کرو گی
لاج پہ اس گھر کی تم مرو گی

اس گھر کو تم جوڑے رکھنا
دُکھ کو پیچھے چھوڑے رکھنا

ممتا کا آنچل پھیلانا
غیرت کی چادر میں چھپانا

بچے آئے خوشیاں لائے ۔۔۔ ماں نے کیا نذرانے لٹائے

اللہ نے میری ہے سن لی ۔۔۔ خوشیوں سے بھر دی ہے جھولی

ماں بن گئی بے دام کی آیا ۔۔۔ خدمت میں دن رات لگایا

سب کے کاموں میں جٹ جانا ۔۔۔ دکھ سہہ کر آرام دلانا

اس کو کھلانا اس کو سلانا ۔۔۔ لوری گا کے من بہلانا

لے کہ ہاتھ میں سوئی سلائی ۔۔۔ کرتی تھی کیا خوب بنائی

کیا رنگین پہناوے بناتی ۔۔۔ بچوں کو پہنا کے سجاتی

سب کی خوشیوں میں وہ خوش تھی ۔۔۔ سب کے دکھ لینے میں خوش تھی

دھیرے دھیرے وقت وہ آیا ماں سے چلنا پھرنا چھڑایا
لے کے سہارا دھیرے چلتی سانسیں پھولی اور باتیں کرتیں
وہ پرہیزی کھانا کھاتی رات کو درد سے تھی کراہتی
ہر دم مصلےٰ بچھائے رکھتی سجدوں میں وہ وقت بِتاتی
آنچل رب کے آگے پھیلاتی نام لے لے کے دعائیں کرتی
اس نے اِک دن سب کو بُلایا بولی اب مرا وقت ہے آیا
اک دوجے کا سہارا بننا ہاتھوں کو بس تھامے رکھنا
پیار محبت سے دن بِتانا ماں سے کیا یہ عہد نبھانا
جب قرآن کی تِلاوت کرنا ماں کے حق میں دعائیں کرنا
کبھی میری تُربت پہ آنا فاتحہ کا نذرانہ دِلانا
میرے لئے صدقہ بن جانا عمل سے اپنی دنیا کو دکھانا
مجھ سے جو کچھ بھی بن پایا میں نے اپنا فرض نبھایا
اب تم سب کا اللہ حافظ میرے سفر کا مولا حافظ
پھر اجل لے کر آئی سواری بی اماں جنّت و سدھاری
بی اماں جنّت کو سدھاری بی ماں جنّت کو سدھاری

❐⌘❐
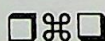
غزل

جب سے میرا اپنا کوئی بیگانہ ہوا ہے
جو حال ہے میرا وہ اک افسانہ ہوا ہے

جو کوئی بھی سنتا ہے یہ رودادِ محبت
سن کے پھر کہتا ہے کہ دیوانہ ہوا ہے

ہنگامہ ہائے شوق نے مجھ کو کیا تباہ
پھولوں سے بھرا یہ چمن ویرانہ ہوا ہے

اے گردش دوراں مجھے معلوم نہیں تھا
گردش میں میرا آج کیوں پیمانہ ہوا ہے

اس بے خودی کے صدقے میں اپنی خبر نہیں
نظارہ ہر اک جلوۂ جانا نہ ہوا ہے

اک پیکر جفا سے وفا ڈھونڈی ہے اخترؔ
کیوں پوچھے کون سوختہ پروانہ ہوا ہے

□⌘□

کہاں کھو جائیں گے

ہیں آج اگر ہم رواں دواں کل جانے کہاں کھو جائیں گے
جو ہم سے بھاگتے رہتے تھے اُن کو بھی بہت یاد آئیں گے

احساس ندامت مجھ کو ہے مارے ہے کچوکے دل پہ مرے
جس کام سے جگ میں آئے تھے کیا ہم سے وہ ہو پائیں گے

گذری یادوں کے سائے ہیں جو من کو جلائے دیتے ہیں
بے نام امیدوں کی شمعیں کیا پھر سے جلا ہم پائیں گے

شورش سے وحشت ہوتی ہے شورش سے یہ دل گریاں ہے
رنجش کے چھائے گرد و غبار کیا آنسو سے دھل پائیں گے

خوابوں کی بستی اُجڑی سی دیواروں کے رنگ ہیں پھیکے سے
یہ پیار کی بستی کھنڈر ہے کیا پھر سے بسا ہم پائیں گے

جاگی آنکھوں کے خواب ہیں کچھ اختر جن کی تعبیر نہیں
قدموں میں کیسی لرزش ہے کیا ٹھیک سمت بڑھ پائیں گے

□⌘□
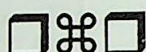
غزل

مشکلوں نے لگائی گھات تو دیکھ
کیسے بنتی ہے بگڑی بات تو دیکھ

تم سے جو بن پڑے گا کوشش سے
سختیوں کو ملے گی مات تو دیکھ

آرزوئیں اگر ہیں دل میں ترے
سحر روشن ہے یوں نہ رات تو دیکھ

جس سے دل کو لگائے بیٹھے ہو
اس کی صورت نہ دیکھ ذات تو دیکھ

اس نے وعدہ کیا ہے آنے کا
کیسے رکھتا ہے اپنی بات کو دیکھ

گم نہ تنہائیوں میں ہو اختؔر
ساتھ یادوں کی یہ برات تو دیکھ

غزل

کیوں پوچھتے ہو مجھ سے تم وہ بات دوستو
جس بات کی نہیں ہے کوئی بات دوستو

محرومیاں، اداسیاں تقدیر ہے اپنی
کیا خوب ملی زندگی سوغات دوستو

محفل میں دل کی بات تو سب کی سنی گئی
جب ہم اُٹھے بدل گئی ہے بات دوستو

پہلو میں بیٹھنے کی تمنا لئے تھے ہم
ہم اپنی جانتے نہ تھے اوقات دوستو

شاید یہ بد دُعا تھی محبت ہوئی مجھے
اب درد و اضطراب ہے دن رات دوستو

میت پہ میری آئے ہیں لے کے گلوں کے ہار
کیا خوب سج اُٹھے گی یہ بارات دوستو

اخترؔ کی جیتے جی پذیرائی نہیں ہوئی
کھائی ہے اُس نے زندگی سے مات دوستو

دیکھ رہی ہوں

بستی ہے یا میدانِ حشر دیکھ رہی ہوں
تاحد نظر ظلم و قہر دیکھ رہی ہوں
آدم نہیں بے بس ہیں کٹھ پتلی کے تماشے
کھینچو جدھر مڑ جائیں ادھر دیکھ رہی ہوں
صورت سے نظر آتے ہیں یہ تاج محل سے
اندر سے سب ہیں ٹوٹے کھنڈر دیکھ رہی ہوں
سہمی ہوئی ہے آنکھیں ہیں لرزتے ہوئے پاؤں
باندھے ہیں سبھی رخت سفر دیکھ رہی ہوں
قانون، نہ اخلاق، تقاضا نہ وقت کا
بارود کے ہے ڈھیر پہ گھر دیکھ رہی ہوں
آثار مقدس ہوں، بزرگوں کے ہوں روضے
سب ہو گئے شعلوں کی نظر دیکھ رہی ہوں
بارود نے انسان کو حیوان بنا دیا
ہیں خوف ہی کے سائے جدھر دیکھ رہی ہوں
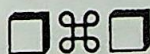
غزل

نشیمن پھونک دیا میرا پاسبان ہو کر
اُجاڑی بستی دل دل کا رازداں ہو کر

بہارو تم نے کیا جو خزاں سے کیا کہہ دوں
مسل کے رکھ دے گل تر کو بدگماں ہو کر

یقین اب بھی نہیں ہے سیاہ بختی کا
کہ ایک بار بلایا تھا مہربان ہو کر

ستم کے شعلے جلا بیٹھے اپنی ہستی کو
کہ آہ کو بھی ترستے ہیں بے زبان ہو کر

وہ اور ہوں گے محبت ہے جن کو راس آئی
لپیٹ کے رہ گئے غم ہم سے جاوداں ہو کر

بڑھا کے تشنہ لبی جام ہم سے چھین لیا
نکالی جان کیا اخترؔ کی جانِ جان ہو کر
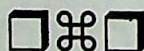
سکون آئے گا

چشم تر ٹوٹ کے برسے تو سکون آئے گا
شب اگر نیند کو ترسے تو سکون آئے گا

دل کے زخموں کو کریدو تو نہ بھر پائیں گے
رستے ناسور بنیں گے تو سکون آئے گا

آبلے پاؤں کے زنجیر نہیں بنتے ہیں
تھک کے غش کھا کے گریں گے تو سکون آئے گا

وہ جنوں کو میرے پابند سلاسل کر دیں
سر کو دیوار سے پھوڑیں تو سکون آئے گا

شدت درد میں بس آہ و فغاں لازم ہے
درد جب حد سے ہی گذرے تو سکون آئے گا

کون کہتا ہے دعاؤں میں اثر ہوتا ہے
کوسنے ملتے رہیں گے تو سکون آئے گا

عمر ہو تیرے جنوں کی یوں طویل اے اخترؔ
سنگ ترے سر پہ پڑیں گے تو سکوں آئے گا

❐⌘❐
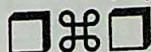
غزل

اے دوست خواہشات کی بندی نہیں ہوں میں
اپنی غرض کے واسطے تو انڈی نہیں ہوں میں
اُلفت کی بازی ہار کر ماتم نہیں کیا
جینے کو جی رہی ہوں پر زندہ نہیں ہوں میں
وہ مہربان ہم پہ تھا، ہم بھی تھے شادمان
اب کیوں ہے بدگماں یہ سمجھی نہیں ہوں
تنہا ہوں میں مگر یہی احساس ہے مجھے
اس کا خیال ساتھ ہے تنہا نہیں ہوں میں
سمجھانے آتے سب ہیں کہ بدلوں میں عادتیں
لیکن کسی کے کہنے سے بدلی نہیں ہوں میں
تھا اُن سے عہد اور نبھائی وفا کی رسم
اختؔر اس دائرے سے تو نکلی نہیں ہوں میں
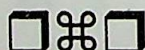
غزل

آپ کے شہر میں آنا جانا ہوتا ہے
ہر چہرہ جانا پہچانا ہوتا ہے

میرا گرنا حادثے کی بات نہیں
تیری گلی میں سر کو جھکانا ہوتا ہے

اکثر تیرے پہلو کو چھو کر نکلے
بھیڑ میں جب بھی آنا جانا ہوتا ہے

میرے مسیحا میرے لئے یہ کافی ہے
تیری نظر میں میرا آنا ہوتا ہے

حسن و عشق کی باتیں ایسی باتیں ہیں
جن کو چھپانا اور نہ بتانا ہوتا ہے

اس گلشن میں کانٹے پھول برابر ہیں
اس کو چبھنا اور اس کو ہنسانا ہوتا ہے

اختؔر دل کا درد جب بڑھ جاتا ہے
دل کو یادوں سے بہلانا ہوتا ہے

□⌘□
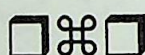
غزل

درد پوچھو کہاں نہیں ہوتا
دل جلے اور دھواں نہیں ہوتا

اس سے ہم دور جا نہیں سکتے
وہ بتاؤ کہاں نہیں ہوتا

جانتے تھے ہے کچھ شناسائی
ایسا اب تو گماں نہیں ہوتا

کتنے معصوم کھا گئی بارود
بانجھ یونہی جہاں نہیں ہوتا

روتے پیٹتے اُٹھے جنازے ہیں
بھولنے کا سماں نہیں ہوتا

آہ و زاری نہیں ہو وادی میں
ایسا کوئی مکان نہیں ہوتا

ہم گلے شکوے کر نہیں سکتے
ہم سے اخترؔ بیان نہیں ہوتا

□⌘□
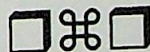
غزل

میرے جہاں کو لوٹنے والے میں نے تیری یاد بھلا دی
شوق سے جس بستی کو بسایا اس کو خود ہی آگ لگا دی

سونے پن اور تنہائی میں کتنا گہرا ناتا ہوگا
بات تھی کچھ یہ سوچ سے باہر تاج محل نے جو سمجھا دی

ٹوٹنا دل کا حادثہ ایسا جس پہ گذرے بس وہ جانے
لوگ تو اندر دیکھ نہ پائے ہم نے باہر روک لگا دی

چارہ گرو کیا چارہ کرو گے ایسی اک لاچار ہوں میں
جسکی چاہ تھی اس نے چھوڑا جس سے وفا کی اس نے دغا دی

تم کیا جانو درد کی شدت دل پہ کیسے قابو کیا ہے
کیسے روکا اشک رواں کو کیونکر دل کی چوٹ چھپا دی

آتش شوق تو جب بھی بھڑکی وصل کی جب اُمید بندھی
اخترؔ اس نے دامن جھٹکا ہجر کی آگ کو اور ہوا دی

جا رہی ہوں میں

سب کا ملال دل میں لئے جا رہی ہوں میں
تنہائیوں کا زہر پئے جا رہی ہوں میں
سینچا تھا باغباں کی طرح جن گلوں کو دوست
ہیں وہ کسی کے ہار تکے جا رہی ہوں میں
میرے نصیب میں نہ تھیں اس گھر کی رونقیں
تنہائی کی وحشت ہے جئے جا رہی ہوں میں
کیا کچھ کسی نے دے دیا معلوم بھی نہیں
کیا چاہئے کسی کو دیئے جا رہی ہوں میں
جاں کی قبا کو پیار کا پیوند چاہئے
ہے جابجا شکستہ سیئے جا رہی ہوں میں
مانگی نہ اُجالوں سے کبھی میں نے روشنی
روشن دیئے لہو سے کئے جا رہی ہوں میں
اختؔر جو بات کہنے سے کترا رہے تھے ہم
وہ وقت کے حوالے کئے جا رہی ہوں میں

□⌘□
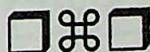
غزل

اے جان آرزو تیرے پہلو میں ہے قرار
ورنہ خزاں رسیدہ ہے آئی ہوئی بہار
وہ مستی نگاہ جب نظروں میں بس گئی
اب تو کسی بھی مے میں بھی باقی نہیں خمار
ہنگامہ ہائے زیست سے دامن بچا کے چل
اُلجھے گی ہر قدم پہ نظر تیری بار بار
دامن پکڑ کے کھینچے ہے مجھ کو خیال دوست
پھر کوچۂ جاناں کی طرف جوں اُڑے غبار
باریکیاں، نزاکتیں، رعنائیاں کہ حسن
وہ جلوۂ صد رنگ ہے ہر رنگ میں آشکار
گلشن سے میرے جلتے ہیں اختر موئے عدو
گر بات تھی گلوں کی تو چھوڑے نہیں ہیں خار

❑⌘❑

بیٹے کے نام

ماں کا پیار نعمت ہے پھر سے مل نہ پائے گی
ماں کے دل کو نہ دکھا جنت تیری چھن جائے گی

بانٹنا ہے پیار کو بانٹ ماں کے ہوتے گھر کو نہ بانٹ
یہ ممتا کی توہین ہے وہ یہ سہہ نہ پائے گی

توڑنا ہے نفرت کو توڑ ۔ بھائی سے تعلق نہ توڑ
یہ تیرے بازو کی قوت ہے وقت پہ کام آئے گی

لینا ہے دعائیں لے دُکھی دل کی آہیں نہ لے
پیار اور ایثار سے زندگی سنور جائے گی

رکھنا ہے توازن رکھ آنکھوں دیکھ عقل سے پرکھ
عجلت بری چیز ہے ہستی نہ سمت پائے گی

بکھرے موتیوں کے دانے لڑی میں پرونا سیکھ
ورنہ تیری غفلت سے مالا یہ بکھر جائے گی

وقت ایسا آئے گا پیار کو تو ترسے گا
اپنوں کے ساتھ کی تڑپ آنسو رُلا جائے گی[1]

---

[1] ل ب ا

غزل

ہم جتنے کربِ عشق سے مانوس ہو گئے
دل میں جہاں کے درد سب محسوس ہو گئے

گم ہو کے اپنی ذات میں ہم کیا تلاشتے
اپنے ہی دائرے میں بس محبوس ہو گئے

جتنے بھی غم جہاں میں تھے یکجا ہوئے تو پھر
میرے ہی واسطے وہ سب مخصوص ہو گئے

احباب جانتے تھے امیرِ زماں مجھے
قلاش مجھ کو دیکھ کے مایوس ہو گئے

چڑھتا تھا جن کا دن میرے چہرے کو دیکھ کر
اُن کی نظر میں آج ہم منحوس ہو گئے

تھاما تھا جن کو ہم نے سہارے کے واسطے
اخترؔ ستون وہ کب کے زمین بوس ہو گئے
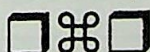
مولوی شوکت احمد شاہ کی شہادت پر

موت نے پھر سے دستک دے دی وادی میں
پھر سے اک بیٹے کی جان لی وادی میں

جانے والے جو بھی تھے انساں ہی تھے
موت نے ان کی عظمت جتا دی وادی میں

موت کے سوداگر اب تک ہیں پیاسے بہت
کس کے خون سے پیاس بجھا دی وادی میں

برسوں سے ہم کرب کو جھیلتے آئے ہیں
سوگ پہ وقت نے راکھ چڑھا دی وادی میں

کس نے مارا کیونکر مارا اس کے کوئی معنی نہیں
کس دیوتا پر بلی چڑھا دی وادی میں

کتنے معصوم کتنے جواں ہم کھوتے رہے
قبروں کی تعداد بڑھا دی وادی میں

روتے نہیں ہر کوئی آنسو پیتا ہے
سب نے کفن پوشاک بنا دی وادی میں

کالی آندھی صیادوں نے پھیلا دی
شاخ و شجر کو آگ لگا دی وادی میں

گولی کی بوچھار سے وہ بھی چھلنی ہے
جس کاندھے نے لاش اُٹھا دی وادی میں

دل، دل تڑپے خون کے آنسو روتے رہے
اختر وقت نے ریت بنا دی وادی میں

□⌘□

غزل

ٹوٹے خوابوں کی بستی میں آئے کون
سیلابوں کی زد میں گھر کو بنائے کون

جگ میں آنا اپنی مرضی تھی ہی نہیں
آکر جگ میں اپنی خوشی سے جائے کون

بھولے بھٹکے راہی آکر ہم سے پوچھ
بھٹکے ہوئے کو منزل تک پہنچائے کون

ٹوٹی چھت اور بارش آندھی کا طوفان

ایسے کھنڈر میں دیپ جلانے جائے کون

رستے زخم جگر چھلنی اور دل میں درد
ایسے روگی کو مرہم پہنچائے کون

ہوش سنبھالا قسمت اپنی پھوٹی تھی
چاہیں بھی بگڑی کو اپنی بنائے کون

پھیر کے منہ کو اپنے سہارے چلے گئے
اختؔر ان کو واپس لانے جائے کون

❑⌘❑

غزل

تری یاد کا گر سہارا نہ ہوتا
تو جی کر بھی جیون ہمارا نہ ہوتا

تجھے پا کے ہم نے تو پایا ہے خود کو
نہیں تو یہ پانا گوارا نہ ہوتا

مری بے خودی حد سے بڑھنے لگی تھی
تری آنکھ کا جو اِشارا نہ ہوتا

یوں مٹنے سے لذت نہیں مجھ کو ملتی
اگر دل یہ بسمل تمہارا نہ ہوتا

رہے موج بن کے اُبھرتے مچلتے
جو یوں دور ہم سے کنارا نہ ہوتا

لکھی خونِ دل سے یہ تحریر اخترؔ
اُسے کاش اتنا سنوارا نہ ہوتا
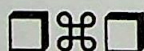
غزل

وعدہ تم وہی کرنا جو نبھاہ پاؤ گے
ورنہ خالی باتیں ہیں کر کے بھول جاؤ گے

دوریوں کی بات کیا یہ تو ہیں مجبوریاں
دل کے آئینے میں دیکھ ہم کو ساتھ پاؤ گے

اپنوں سے ہی کر شکوہ پیارے وہ تو اپنے ہیں
تیرے پاس آئینگے جب بھی تم بُلاو گے

عقدۂ محبت کو روٹھنے سے مت کھولو
جتنا دور کھینچو گے اُتنا دور جاؤ گے

یہ فریب ہستی ہے یادیں کیا بُھلا دینا
یادیں یادگاریں ہیں ان کو کیا مٹاؤ گے

آندھیاں ہیں زور کی یہ شمع بُجھ نہ پائے گی
اوٹ کر کے ہاتھوں کی کب تلک بچاؤ گے

کاش اخترؔ یہ سمجھے زندگی امانت ہے
اس کو واپس کرنا ہے چاہے تم نہ چاہو گے

❐⌘❐
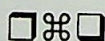
غزل

بھولی سی داستان کو سنانے چلی ہوں میں
بگڑی ہے بات پھر سے بنانے چلی ہوں میں

گو مدتیں گزریں ہیں تعلق نہیں تھا کچھ
یہ بات آج دل کو بتانے چلی ہوں میں

نسبت سے تیری آج تک شہرت میری رہی
ذہنوں سے اِسے محو کرانے چلی ہوں میں

میرے عدو نے جل کے دی ہے بد دُعا مجھے
روٹھی ہوئی قسمت کو منانے چلی ہوں میں

خوگر بنا دیا ہے حوادث نے رن کا
اب بے ستوں کو آج مٹانے چلی ہوں میں

اخترؔ تیری چاہت میں مکمل تو کچھ نہیں !
اب یہ بساط پھر سے بچھانے چلی ہوں میں

❒⌘❑
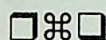
غزل

میلے لگے خوشی کے ہیں پر دل اُداس ہے
بس اِک ہجوم یاس میرے آس پاس ہے

میں تشنگی مٹا نہ سکی اپنی روح کی
حالانکہ گھر میرا تو سمندر کے پاس ہے

اُلفت کی بازی ہار کر بھی میں صبور ہوں
وہ جنگ جیت کر بھی بہت بدحواس ہے

چاہت میں اُس کی کب رہے حالات سازگار
کیا کیا قیامتوں سے یہ دل روُشناس ہے

تحریر کرنے بیٹھے وہ احساں کی داستاں
میرے ذہن نقش ہر اِک اقتباس ہے

سانسوں کے زیر و بم میں بھی شامل ہے جس کا نام
دھڑکن یہ اپنے دل کی بہت غم شناس ہے

کردار جس کا آئینے کی طرح صاف ہے
اخترؔ اُس شخص کا اگر میلا لباس ہے

❐⌘❑
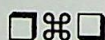
خواہش

یہ کالی سرد راتیں، اور

بھیانک ان کی خاموشی

حرارت مانگتی ہیں قرب کی

تیرے تصور سے

خیالوں کے یہ صحرا

کتنے وحشت ناک ہوتے ہیں

جہاں یادیں

ہجوم یاس بنتی ہیں

اور تپتے ریگزاروں میں

پیاسی روح کی سوزش

فقط اِک بوند کی خواہش

اور

وہ بھی سوکھے بادل سے

□⌘□
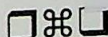
متفرقات

جو چاہو تمہیں پیار کرنا سکھائیں
یہ جیون سلیقے سے کیسے بتائیں
ملی مختصر سی ہے مہلت جہاں میں
اُسے یاد کرنے کے قابل بنائیں

ہجر کی رات اور درد دل دونوں فقط عذاب ہیں
صبح امید و شام غم کچھ بھی نہیں سراب ہے

ہر بات مہربان کی دل میں اُتر گئی
جس جس ادا پہ اس کی ہماری نظر گئی
ہم بھی مہکتے تھے گُلِ ریحان کی طرح
لیکن ہمیں صبا بھی نہ چھو کر گزر گئی

اپنے خوں کے غسل سے کتنی نکھر جاتی ہے موت
موت کا ڈر دل سے جب نکلے تو مر جاتی ہے موت

بہانے روٹھنے کے مت بناؤ
ذرا میری خطائیں تو بتاؤ
نبھاہ کرنا نہیں ہے کام تیرا
محبت کو تماشا مت بناؤ

اُٹھ کے پہلو سے میرے جب وہ گئے
میرے دل کے کتنے ٹکڑے ہو گئے
قربتوں کی لذتیں سمجھے نہیں
فرقتوں کے غار میں ہم کھو گئے

میری بے نور سی آنکھوں میں امیدیں نہ جگا
اس کھنڈر جیسے مکان میں دیئے تو نہ جلا
گر گلا کاٹنا ہے گند چھری سے کاٹو
کچھ تو آجائے ہمیں بھی گلا کٹنے کا مزا

دل کی بستی ایسی بستی جب اُجڑے تب بس جائے
شہر وفا میں جو بھی جائے آخر اسی میں بس جائے
ہم کو جدائی کے صحرا میں اس کے سِوا کوئی نہ مِلا
تنہائی اِک ناگن جیسی جب چاہے تب ڈس جائے

چوبیتی

سوز غم ہائے نہانی اور جان، ناتواں
آتش دوزخ سے بڑھ کر ہے جدائی کا سماں
چھپ گیا جب سے پہاڑوں سے پرے وہ آفتاب
ہر طرف تاریکیاں ہیں گھر ہے اُجڑا گلستان

تِشنگی روح کی.........

میں نے حمیدہ جی کی اس تازہ ترین تصنیف کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک نہایت ہی معقول اور سیدھی سی بات محسوس کی کہ مصنفہ نے جس طرح اپنی زندگی میں کئی مرحلے طے کئے ہیں اُسی طرح اُن کی شاعری بھی مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اس بات کی غماز بنی ہے کہ اس حساس قلمکارہ نے زندگی کو یوں ہی نہیں جیا ہے بلکہ اس کے نشیب و فراز، اسکے سیاق و سباق، اسکے آلام و آسائش اور اس کے اندروں میں چھپے ہزار ہا طلسم محسوس کئے ہیں۔ اور یہی ایک ذہین قلمکارہ کی علامت ہے۔

جہاں تک حمیدہ جی کی شاعری میں حسن وقبوع یا گیرائی و گہرائی کا تعلق ہے اس سلسلے میں ماہر اور بے لوث نقاد حضرات اس تصنیف کو اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے پرکھیں گے لیکن جہاں تک اس مصنفہ کی اپنی ادبی تگ و دو کا تعلق ہے تو میں نے انہیں ہمیشہ ایک متحرک قلمکارہ، ایک شفیق مصنفہ اور ایک ملنسار تخلیق کارہ کی صورت

کئی مجلسوں اور محفلوں میں دیکھا ہے۔ آج ان کی یہ تصنیف خود ان کے ان ہی اوصاف کی مثال ہے کیونکہ اس تصنیف میں جہاں آپ کو درد بھرے سماج کے کراہتے احساس ملیں گے وہیں ایک خوشبو خوشبو گھر کے معطر لمحات بھی نگاہوں کے سامنے رقص کرتے ہوئے نظر آئینگے حالانکہ کہیں کہیں اس میں مقامی رنگ یا اپنی مادری زبان کی چاشنی بھی محسوس ہوتی ہے لیکن مجموعی طور پر اسے ایک حساس ذہن و دل کی مالک شاعرہ کا ایک جرأت مندانہ قدم ہی نہیں بلکہ لمحہ لمحہ زندگی کا متحرک احساس مانا جائے گا۔ وہ احساس جو ایک حساس تخلیق کار کی روح سے اُبھرتا ہے۔ حمیدہ جی زندگی کے ان ہی لمحات کے بارے میں خود رقم طراز ہیں ؎

میں تشنگی مِٹا نہ سکی اپنی روح کی

حالانکہ گھر میرا تو سمندر کے پاس تھا

اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ حمیدہ جی کے قلم کو وسعتوں کا امین بنا دے

آمین

زاہد مختار

مدیر ''لفظ لفظ'' اسلام آباد کشمیر

Khaboon kay Gul Paiker

POETRY COLLECTION

Hameeda Shah Akhter

اس تصنیف میں جہاں آپ کو درد بھرے [illegible] ابھرتے
احساس ملیں گے وہیں ایک خوشبو خوشبو گھر کے معطر لمحات [illegible]
کے سامنے رقص کرتے ہوئے نظر آئینگے حالانکہ کہیں کہیں ان میں
مقامی رنگ یا اپنی مادری زبان کی چاشنی بھی محسوس ہوتی ہے لیکن
مجموعی طور پر اسے ایک حساس ذہن و دل کی مالک شاعرہ کا ایک
جرأت مندانہ قدم ہی نہیں بلکہ لمحہ لمحہ زندگی کا متحرک احساس مانا
جائے گا۔ وہ احساس جو ایک حساس تخلیق کار کی روح سے اُبھرتا
ہے۔ حمیدہ جی زندگی کے ان ہی لمحات کے بارے میں خود رقم طراز
ہیں ۔

میں تشنگی مِٹا نہ سکی اپنی روح کی
حالانکہ گھر میرا تو سمندر کے پاس تھا